ڈاکٹر ظفر اقبال

امیر مینائی کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی: ''کبوتر نامہ''

ایک ہوتا ہے باکمال اور ایک ہوتا ہے جامع الکمالات۔ باکمال سے اگر اس کا کمال چھین لیا جائے تو پھر اس کی شخصیت میں کچھ باقی نہیں رہتا، اور جامع الکمالات کا کوئی ایک کمال حذف ہو جائے تو اس کے باوجود دوسرے کمالات کے سبب اس کی شخصیت ممتاز رہتی ہے۔ حضرت امیر مینائی کی ذات جامع الکمالات تھی (ماہر القادری۔ ص:۴۱) امیر مینائی عالم، صوفی، شاعر، نثّار، منطق و فلسفہ کے ماہر، موسیقی کے شناور اور طب پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، اُردو فارسی، عربی، ہندی پر مکمل دسترس حاصل تھی، اردو، فارسی میں صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ عربی میں بھی شاعری کی ہے۔ لغت کے اتنے بڑے ماہر کہ ''امیر اللغات'' جیسی لغت کے علاوہ متعدد لغات یادگار چھوڑیں۔ تذکرہ نویسی میں قلم اٹھایا تو ''انتخاب یادگار'' جیسا جامع اور مستند تذکرہ مرتب کیا۔ نعت گوئی ان کے امتیازات میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے نعت گو تھے۔ انہوں نے محسن کاکوروی جیسے نعتیہ شاعر کی موجودگی میں نعت کا جو سرمایہ ادبی دنیا کو دیا وہ اپنے ہمہ گیر اثرات اور نتائج کے لحاظ سے عظیم الشان کہلانے کا مستحق ہے۔ ہیئت، نجوم، رمل اور جفر میں بھی صاحب تصنیف تھے، اتنے علوم اور اتنی زبانوں پر دسترس، ان کے جامع الکمالات ہونے کی محکم دلیل ہے۔

امیر مینائی کی پیدائش کی تاریخ کے حوالے سے ان کے سوانح نگاروں (علوی، حکمت، آہ، جلیل) اور ان کے اتباع میں بعد کے محققین نے مختلف سنین لکھے ہیں، لیکن امیر کے دو اہم ترین محققین نے متفقہ طور پر ان کی تاریخ ولادت ۱۶، شعبان ۱۲۴۴ھ متعین کی ہے۔ (ڈاکٹر ابو محمد سحر۔ ص: ۷۹ ڈاکٹر کریم الدین؛ ص ۱۲۵) امیر کے والد کا نام شیخ کرم محمد مینائی تھا۔ (امیر مینائی ص: ۱۵) امیر مینائی نے ابتدائی تعلیم لکھنؤ میں ہی حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اودھ کے نوابی دربار سے وابستگی اختیار کی۔ ۱۲۷۱ھ میں انتزاع سلطنت کے بعد واجد علی شاہ کلکتہ روانہ ہو گئے

اور امیر لکھنؤ چھوڑ کر رام پور آ بسے۔ امیر کی عمر عزیز کا بیشتر حصّہ رام پور میں بسر ہوا۔ آخری عمر میں حیدر آباد گئے، وہاں ایسے بیمار ہوئے کہ ۱۹ جمادی آخر ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳، اکتوبر ۱۹۰۰ء کو زندگی کے اکہتر برس، سات مہینے اور بیس دن گزار کر راہی ملکِ بقا ہوئے (مطالعہ امیر، ص: ۱۱۰)

امیر کا جملہ علمی و ادبی سرمایہ درج ذیل ہے۔

مطبوعہ منظوم کتب

۱۔ مخمس نعتیہ۔ محسن کاکوروی کے نعتیہ قصیدے کی تضمین مصنفہ ۱۲۷۵ھ۔ مطبوعہ شامِ اودھ، لکھنؤ۔

۲۔ مضامین دل آشوب۔ امیر کے چھے واسوخت ''شعلہ جوالہ'' جلد اوّل میں ۱۲۸۵ء میں طبع ہوئے۔

۳۔ محامد خاتم النبیّن۔ نعتوں کا یہ دیوان ۱۲۸۷ھ میں مرتب ہوا اور ۱۲۸۹ھ میں شایع ہوا۔

۴۔ مراۃ الغیب۔ امیر کی غزلوں کا پہلا دیوان ۱۲۸۴ھ میں مرتب ہوا اور ۱۲۹۰ھ میں طبع ہوا۔

۵۔ گوہر انتخاب۔ مفردات کا پہلا مجموعہ ۱۲۸۵ھ میں مرتب ہوا اور ۱۲۹۰ھ میں طبع ہوا۔

۶۔ مثنوی کارنامۂ عشرت۔ یہ مثنوی نواب کلب علی خاں کے بڑے بیٹے، ذوالفقار علی خاں کی شادی کے بیان میں ۱۲۸۷ھ میں لکھی گئی ہے۔ یہ مثنوی ۷۶۴ اشعار پر مشتمل ہے۔

۷۔ مثنوی عاشقانہ۔ یہ مثنوی ساڑھے تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے مینائی کے نسخہ کو ڈاکٹر کریم الدین نے سہ ماہی اردو، کراچی کے جولائی، اکتوبر ۱۹۶۰ء کے شمارے میں شایع کرا دیا ہے۔

۸۔ ذکر شاہ انبیاء۔ سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت کے بیان میں یہ مسدس ۱۲۹۰ء میں مرتب ہوا اور ۱۲۹۳ھ میں شایع ہوا۔

۹۔ صبح ازل۔ یہ مسدس بھی سرکار دو عالم ﷺ کی مدح میں ہے۔ یہ مسدس ۱۲۹۴ھ میں طبع ہوا۔

۱۰۔ شامِ ابد۔ سرکار دو عالم کی وفات کے بیان میں یہ مسدس ۱۲۹۴ھ میں طبع ہوا۔

۱۱۔ لیلۃ القدر۔ یہ مسدس واقعہ معراج کے بیان میں لکھا گیا اور ۱۲۹۸ھ میں طبع ہوا۔

۱۲۔ صنم خانہ عشق۔ امیر کا دوسرا دیوان ۱۳۰۶ میں مرتب ہوا اور ۱۳۱۸ھ میں طبع ہوا۔
۱۳۔ مثنوی نور تجلّی۔ سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت کے بیان میں تحریر کردہ یہ مثنوی ۱۲۹۲ھ میں طبع ہوئی۔
۱۴۔ مثنوی ابرِ کرم۔ اس مثنوی میں مذہبی حکایات بیان کی گئی ہیں۔ یہ مثنوی ۱۲۹۴ھ میں طبع ہوئی۔

مطبوعہ نثری تصانیف:

۱۔ خیابان آفرینش۔ یہ میلاد شریف ۱۳۰۵ھ میں تحریر کیا گیا اور ۱۳۰۶ھ میں طبع ہوا۔
۲۔ انتخاب یادگار۔ اردو، فارسی اور ہندی شعراء کا یہ تذکرہ ۱۲۹۰ھ میں مرتب ہوا اور ۱۲۹۷ھ میں شایع ہوا۔
۳۔ زادالامیر۔ دعاؤں کا مجموعہ ۱۳۱۰ھ میں مرتب ہوا اور اسی سال شایع ہوا۔
۴۔ نماز کے اسرار۔ نماز کے ارکان سے متعلق یہ رسالہ ۱۳۱۱ھ میں طبع ہوا۔
۵۔ وظیفہ جلیلہ۔ صبح و شام پڑھنے کے لیے یہ وظیفہ ۱۳۱۲ھ میں طبع ہوا۔
۶۔ نمونہ امیر اللغات۔ مطبوعہ ۱۸۸۶ء۔
۷۔ امیر اللغات حصّہ اول۔ مطبوعہ ۱۸۹۱ء۔
۸۔ امیر اللغات حصّہ دوم۔ مطبوعہ ۱۸۹۳ء۔
۹۔ امیر اللغات حصّہ سوم۔ امیر اللغات کا حصّہ سوم ۱۸۹۵ء میں مرتب ہوا۔ اس لغت کے حصّہ سوم کے دو قلمی نسخے ہیں۔ پہلا نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔ اسرائیل احمد مینائی کے نسخے کو ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے مرتب کر کے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۲۰۱۰ء میں شایع کیا۔
۱۰۔ شرح ہدایتِ السّلطان۔ واجد علی شاہ کی عربی تصنیف ہدایت السلطان کی فارسی میں لکھی گئی شرح ہے جو لکھنؤ سے ۱۲۶۸ھ میں طبع ہوئی۔

امیر مینائی کی غیر مطبوعہ تصانیف:

۱۔ مثنوی کبوتر نامہ۔ اس مثنوی میں واجد علی شاہ کے کبوتروں کے محاسن بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی تفاصیل آگے آتی ہیں۔

۲۔ دیوان گوہر انتخاب۔ غدر سے پہلے اور قدرے بعد کی غزلوں کا انتخاب مرتبہ ۱۲۸۵ھ۔اس کا قلمی نسخہ خود امیر کے ہاتھ کا مکتوبہ رضالائبریری، رام پور میں ہے۔

۳۔ قصائد امیر۔نواب مشتاق علی اور نواب حامد علی خاں کی مدح میں لکھے گئے قصائد کا مجموعہ ہے۔اس کا قلمی نسخہ رضالائبریری، رام پور میں محفوظ ہے۔

۴۔ مجموعہ سہرا۔ یہ کتاب نواب حامد علی خاں کی شادی کے موقع پر لکھے گئے سہروں پر مشتمل ہے۔ یہ مجموعہ ۱۸۹۴ء میں مرتب ہوا۔اس کی ضخامت ۱۳۰،اوراق ہے۔اسے الٰہی بخش مرجاں رام پوری نے کتابت کیا اس کا قلمی نسخہ رضالائبریری، رام پور میں محفوظ ہے۔

۵۔ دیوان فارسی ۔غیر مطبوعہ۔اس دیوان کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔

۶۔ جان تاریخ۔غیر مطبوعہ۔عربی، فارسی اور اردو کے ہم عدد الفاظ کا مجموعہ۔اس کا قلمی نسخہ رضالائبریری، رام پور میں محفوظ ہے۔

۷۔ گنجینہ قوافی ۔الف تا ی،قوافی کا مجموعہ۔اس کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔

۸۔ محاورات مصادر۔اردو کے مصادر سے نکلے ہوئے محاورات کا مجموعہ۔اس کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔

۹۔ سرمہ بصیرت یا معیار الاغلاط۔ ۱۳۱،اوراق پر مشتمل یہ رسالہ یہ عربی و فارسی کے ان الفاظ کی لغت ہے۔ جو اردو میں مستعمل ہیں۔دو جلدوں پر مشتمل اس لغت کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔اس کا دوسرا قلمی نسخہ رضالائبریری، رام پور محفوظ ہے۔(کریم الدین۔۴۰۲)

۱۰۔ بہار ہند۔فارسی زبان میں اردو کی لغت۔اس کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔بہار ہند کا دوسرا قلمی نسخہ رضالائبریری، رام پور میں موجود ہے۔

۱۱۔ رموز غیبیہ۔امیر نے علم جعفر میں یہ رسالہ ۱۲۸۰ھ میں تصنیف کیا تھا۔اس کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس ہے۔

۱۲۔ رمز الغیب۔ یہ رسالہ علم رمل کے بارے میں ۱۲۹۰ھ میں لکھا گیا ہے۔اس کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔رمز الغیب کے دو قلمی نسخے رضالائبریری رام پور میں محفوظ ہیں۔

۱۳۔ رسالہ بحث تعداد حروف تہجی۔ یہ رسالہ حرفِ تہجی کے اعداد تحقیق پر مشتمل ہے۔ اس کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔

۱۴۔ مثنوی حکایت اویس قرنی۔ امیر نے اس مثنوی میں عشقِ رسول ﷺ کی حکایت بیان کی ہے۔ یہ مثنوی ۱۳۰۸ھ میں لکھی گئی۔ اس مثنوی کا قلمی نسخہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند میں محفوظ ہے۔

۱۵۔ قطعات، سہرے اور تاریخیں۔ اس تصنیف میں ۳۲ فارسی اور ۱۱۳، اردو قطعات، ۲۲، سہرے اور تاریخیں شامل ہیں۔ اس کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔

۱۶۔ سلام و مراثی۔ اس تصنیف کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔

۱۷۔ مثنوی قصّہ یہودی۔ اس مثنوی کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔

۱۸۔ مکاتیب امیر۔ امیر کے سیکڑوں مکاتیب پر مشتمل دو قلمی نسخے اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہیں۔

۱۹۔ مجموعہ اصطلاحات، مع وجوہ وتشریحات۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی صاحب کے پاس محفوظ ہے۔

۲۰۔ نغمہ قدسی۔ ہندوستان کی کلاسیکی موسیقی پر لکھی گئی اس کتاب کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔

۲۱۔ غزلیات امیر۔ امیر کی کم وبیش پچاس غیر مطبوعہ غزلیات کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔

۲۲۔ قصائد امیر۔ امیر کے تقریباً ۲۵ قصائد کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔

۲۳۔ فارسی مکاتیب۔ امیر کے ۸۰، فارسی خطوط کا یہ مجموعہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس محفوظ ہے۔

۲۴۔ دیوانِ امیر۔ ۱۶۶، اوراق پر مشتمل یہ دیوان ۱۲۸۵ھ میں مرتب ہوا۔ اس دیوان کا قلمی نسخہ رضا لائبریری، رام پور میں موجود ہے (کریم الدین۔۴۰۲) ابو محمد سحر نے اس کا نام دیوان گوہر انتخاب لکھا ہے (ص ۱۲۰)

۲۵۔ شجرہ چشتیہ صابریہ۔اس کا قلمی نسخہ رضالائبریری، رام پور میں ہے۔(کریم الدین۔۴۰۳)

۲۶۔ مجموعہ رباعیات۔۷۹رباعیات پر مشتمل اس مجموعے کا قلمی نسخہ اسرائیل احمد مینائی کے پاس ہے۔(کریم الدین۔۴۰۲)

۲۷۔ انتخاب تذکرہ۔امیر کے تذکرے کا انتخاب۔چالیس اوراق پر مشتمل اس انتخاب کو مہدی علی خاں رام پوری نے کتابت کیا اس کا قلمی نسخہ رضالائبریری، رام پور میں موجود ہے۔چوں کہ اس مضمون کا مقصد مثنوی ''کبوتر نامہ'' کا متن پیش کرنا ہے لہٰذا اب اس حوالے سے بات کی جاتی ہے۔

''کبوتر نامہ'' کا زمانہ تصنیف:

''کبوتر نامہ'' کے قلمی نسخے پر کاتب نے تاریخ کتابت نہیں لکھی ہے اور نہ ہی امیر نے اس مثنوی کے کسی شعر میں ایسا اشارہ کیا ہے کہ جس سے تاریخ تصنیف متخرج کی جاسکے۔لہٰذا ہم دیگر داخلی شواہد سے مثنوی ''کبوتر نامہ'' کا زمانہ تصنیف متعین کرتے ہیں۔اس ضمن میں پہلے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ امیر مینائی کا رابطہ واجد علی شاہ سے کس سن میں ہوا، تاکہ امیر کی دربار سے وابستگی کی صحیح تاریخ کا تعین کیا جاسکے۔

''دبدبۂ امیری'' میں اس حوالے سے یہ بیان ملتا ہے ''حضرت خدائے سخن'' (امیر) ۱۲۶۹ھ میں باریاب دربار شاہی ہوئے، اور دو کتابیں موسوم بہ ''ارشادالسلطان و ہدایت السلطان'' تصنیف فرما کر حضور اقدس میں گزاری اور خلعت فاخرہ اور انعام سلطانی سے سرفراز کیے گئے (ص:۲۲)

صاحبِ ''طرّۂ امیر'' کا بیان ہے کہ ''اس محبت بیز و عشق ریز سرکار تک منشی امیر احمد کی رسائی ۱۲۶۹ھ میں ہوئی اور دو کتابیں ''ارشادالسلطان وہدایت السلطان'' تصنیف کر کے حضورِ اقدس میں گزاری اور خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے (ص:۱۶)

''سیرت امیر مینائی'' کے مصنف ممتاز علی آہ نے امیر مینائی کی بیان کردہ روایت اس طرح قلم بند کی ہے اسیر مرحوم ان دنوں بادشاہ کے میر منشی اور رفیق باختصاص تھے، ان کو خیال رہتا تھا کہ عزیز شاگرد کو بادشاہ کے دربار تک پہنچائیں۔انھوں نے امیر کو شہزادہ ندرۃ السلطان عرف نادر مرزا کی معلمی پر متعین کرادیا۔شہزادے کی تعلیم کے لیے امیر نے''

انشاے نادری'' بھی تصنیف کی تھی۔ امیر نے ندرۃ السلطان کی تعلیم کی جانب سے رغبت پیدا کردی۔ واجد علی شاہ نے جب امیر کی کارکردگی سنی تو ان سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا، اس طرح امیر کی دربارشاہی میں باریابی ہوئی۔ امیر نے مدح میں قصیدہ پیش کیا۔ بادشاہ سلامت سن کر خوش ہوئے بہت تعریف فرمائی اور سات پارچے کا خلعت مرحمت ہوا (ص:۵۷) ایک اور جگہ ممتاز علی آہ نے لکھا ہے کہ ۱۲۶۹ھ امیر بادشاہ کے محکمہ میں دوسوروپے ماہ وار پر ملازم ہوگئے۔ (ص:۶۷)

مذکورہ بالا تینوں سوانح نگاروں کے مقابلے میں امیر کے چوتھے سوانح نگار جلیل حسن جلیل مانک پوری ''سوانح امیر'' میں رقم طراز ہیں۔

امیر ۲۵ برس کی عمر میں واجد علی شاہ کے دربار میں حضرت اسیر کی وساطت سے باریاب ہوئے۔ بادشاہ نے ارشاد کیا، کیا تمھارا ہی نام امیر ہے؟ میں نے دست بستہ عرض کیا، جہاں پناہ فقیر ہی کو امیر کہتے ہیں۔ اس کے بعد ''کبوتر نامہ'' جو خوش خط لکھا ہوا پاس میں موجود تھا، ادب سے پیش کیا۔ بادشاہ ''کبوتر نامہ'' کو لے کر بہت خوش ہوئے اور کچھ دیر اس کو ملاحظہ فرماتے رہے اور حکم دیا کہ صلے میں خلعتِ فاخرہ عطا کیا جائے۔ چنانچہ مجھ کو خلعت فاخرہ عطا ہوا جس میں ایک پالکی بھی تھی۔ (ص:۲۰)

امیر ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے اگر اس میں جلیل کے بیان کے مطابق پچیس اور شامل کردیں تو ۱۲۶۹ھ بنتے ہیں گویا امیر نے ۱۲۶۹ھ میں جس وقت شاہی ملازمت اختیار کی اس وقت وہ مثنوی ''کبوتر نامہ'' تصنیف کر چکے تھے۔

ڈاکٹر ابومحمد سحر نے امیر کی کتاب ''شرح ہدایتِ السلطان'' کا سنہ تالیف ۱۲۶۸ھ برآمد کیا ہے اور اس حوالے سے امیر کی شاہی ملازمت کا آغاز ۱۲۶۸ھ سے قبل قرار دیا ہے (مطالعہ امیر۔۷۷) ابومحمد سحر نے لکھا ہے کہ امیر اس سے پہلے دربار میں باریاب ہوکر قصیدہ اور مثنوی کبوتر نامہ پیش کر چکے تھے (مطالعہ امیر۔۷۷)

ڈاکٹر ریاض الحسن نے کسی حوالے کے بغیر لکھا ہے کہ ''جب اسیر واجد علی شاہ کے استاد مقرر ہوئے تو ان کے توسط سے امیر مینائی کی رسائی بھی ۱۸۵۲ء میں دربارشاہی میں ہوئی (منشی مظفر علی اسیر۔ص:۲۴۲)

اس طرح دو باتیں واضح ہوجاتی ہیں پہلی یہ کہ امیر نے واجد علی شاہ کی

ملازمت ۱۲۶۹ھ میں اختیار کی۔ دوسری یہ کہ: مثنوی ''کبوتر نامہ'' ۱۲۶۸ھ سے بھی قبل کی تصنیف ہے۔جلیل کے بیان کے مطابق بہ وقتِ باریابی دربار، امیر کے پاس مثنوی ''کبوتر نامہ'' کا خوش خط نسخہ موجود تھا جوانہوں نے واجد علی شاہ کی خدمت میں پیش کیا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر نے مثنوی یقیناً کچھ عرصہ قبل لکھی ہوگی نیز اس کوکسی کاتب سے خوشخط لکھوانے میں اور مرصّع کرانے میں کچھ عرصہ ضرور لگا ہوگا لہٰذا مختلف قرائن کی روشنی میں کبوتر نامہ کا سنہ تصنیف ۱۲۶۷ھ کے گرد و پیش قرار دیا جا سکتا ہے۔

''کبوتر نامہ'' کی وجہ تصنیف:

ممتاز علی آہ نے امیر مینائی کی بیان کردہ روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''اس زمانے میں بادشاہ کو کبوتر اڑانے کا شوق پیدا ہوا اور نواب علی نقی خاں وزیر مخاطب بہ حضورِ عالم سے شد ہوئی۔وہ مدِ مقابل قرار پائے۔ کہتے ہیں کہ کبوتر اس کثرت سے پالے گئے تھے کہ کبوتر باز، قرنا کے ذریعے سے کبوتر اڑاتے تھے۔حضرت نے بادشاہ سلامت کے کبوتروں کی تعریف میں ایک مثنوی (کبوتر نامہ) کہہ کر پیش کی۔اس مثنوی میں پورے دوسو شعر ہیں۔(ص:۵۸) بادشاہ مثنوی سن کر بہت خوش ہوئے اور کافی صلہ دے کر حضرت (امیر) کو بھی خوش کر دیا (امیر مینائی:۶۳) ممتاز علی آہ نے مثنوی ''کبوتر نامہ'' کے ۶۵، اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

''کبوتر نامہ'' کا متن:

امیر نے ۲۰۰، اشعار پر مشتمل یہ مثنوی واجد علی شاہ کے کبوتروں کی تعریف میں لکھی تھی۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے اس مثنوی کو نایاب قرار دیا ہے (مطالعہ امیر۔۳۰۴) اسرائیل احمد مینائی نے بھی یہی لکھا ہے کہ مثنوی کبوتر نامہ غیر مطبوعہ ہے۔انہوں نے دیوان امیر کے آخر میں امیر مینائی کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب کی جو فہرست شایع کی ہے اس میں ''کبوتر نامہ'' کی صراحت میں مندرجہ ذیل جملہ لکھا گیا ہے۔

''کبوتر نامہ''۔حسبِ فرمائش واجد علی شاہ (غیر مطبوعہ) (دیوان امیر، ص:۴۳۲)

اسرائیل مینائی نے ''حسبِ فرمائش واجد علی شاہ'' لکھ کر ایک نئی غلط فہمی پیدا کر دی ہے۔ان کے اس بیان کی بنیاد کبوتر نامہ کا نسخہ ''ب''۔ ہے اس کی تفصیل متعلقہ مقام پر پیش کی جائے گی۔امر واقعہ ایسا نہیں۔اس کی تصریح گزشتہ صفحات میں کی جا چکی ہے۔

مثنوی کبوتر نامہ نایاب نہیں اس کے دو عمدہ اور خوش خط قلمی نسخے اسرائیل احمد مینائی

کے پاس کراچی میں محفوظ ہیں۔ چونکہ زیرِ نظر مضمون میں مثنوی ''کبوتر نامہ'' کا متن پیش کرنا مقصود ہے، لہٰذا پہلے اس کے قلمی نسخوں کی تفاصیل تحریر کی جاتی ہیں۔

نسخہ الف = مثنوی کبوتر نامہ کا یہ قلمی نسخہ سائز کے ۱۷×۱۰ سینٹی میٹر کے ۱۴، صفحات پر مشتمل ہے۔ متن سیاہ روشنائی سے خطِ نستعلیق میں لکھا ہوا ہے جب کہ عنوانات شنجرفی ہیں۔ درمیان میں بھی متعدد اشعار سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں۔ نسخہ آغاز سے تمت تک مکمل ہے۔ ہر صفحہ پر تقریباً پندرہ اشعار تحریر ہیں۔ تحریر میں برتے گئے املائی خواص سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ انیسویں صدی کے وسط میں کتابت کیا گیا تھا۔ زیرِ نظر نسخہ میں یائے معروف و مجہول کو خلط ملط کیا گیا ہے جب کہ انیسویں صدی کے اواخر کے مکتوبہ نسخوں میں یائے معروف و مجہول کے مابین امتیاز کا اہتمام ملتا ہے۔ یہی صورت حال ہائے ہوز اور ہائے حطّی اور ہائے مختفی کی ہے۔ ''کبوتر نامہ'' کا کاتب کھیل کو کہیل لکھتا ہے دیکھو کو دیکہو۔ مہر کو مھر، تھے کو تہی لکھتا ہے۔ غرضیکہ املائی اصولوں سے اس نسخہ کی کتابت کو اواسط انیسویں صدی کے گرد و پیش قرار دیا جا سکتا ہے۔

نسخہ ب = مثنوی کبوتر نامہ کا نسخہ ''ب'' ۲۴×۱۳۔ س م، سائز کے ۲۲، صفحات پر مشتمل ہے یہ نسخہ جلی قلم اور سیاہ روشنائی سے خطِ نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ ہر صفحہ پر ترک کا التزام ہے۔ پہلے صفحہ پر مخروطی لوح بنائی گئی ہے جس میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' تحریر ہے۔ ہر صفحہ پر متن کے گرد باریکا بنایا گیا ہے۔ تمام عنوانات کو خانوں میں لکھ کر ممتاز کیا گیا ہے۔ نسخے میں نہ تو کاتب کا نام اور نہ ہی سنہ کتابت درج ہے۔ کاتب بہت محتاط اور خوش قلم ہے پہلے صفحہ پر بسم اللہ کے نیچے دو سطور میں مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے۔

> ''مثنوی در توصیف کبوتران، حسب فرمائش حضرت ظل سبحانی، خلیفۃ الرحمانی، سلطان عالم و عالمیان، شاہِ اودھ، اختر نگر، عرف لکھنؤ۔''

اس عبارت میں درج ذیل باتیں قابلِ توجہ ہیں:

۱۔ یہ مثنوی واجد علی شاہ کی فرمائش سے لکھی گئی۔

۲۔ واجد علی شاہ کو خلیفۃ الرّحمانی قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ لکھنؤ کو اختر نگر لکھا گیا ہے۔

پہلی بات صریحاً غلط ہے، یہ مثنوی واجد علی شاہ کی فرمائش پر نہیں لکھی گئی۔ مثنوی کے

آخری حصّے میں مرقومہ اشعار درج کیے جاتے ہیں جس سے صورت حال کا ایک پہلو تو بالکل واضح ہو جائے گا۔

رکھتا ہے امیر بھی تمنا اس باغ کا دیکھ لے تماشا
ہر چند کہاں ہے ایسی تقدیر پر چاہیے کچھ تو اس کی تدبیر
لے جا ابھی نامہ سوئے داور عرضی ہے یہ نامہ کبوتر
شاید کہ لڑے مقدّر اپنا پہنچے درِ شاہ تک سر اپنا
بے تابی دل ہے صاف روشن دل بھی ہے کبوتر ایک لوٹن
بے بال و پری سے یوں ہے مضطر جس طرح سے پر کٹا کبوتر
تقدیر رسا ہو یا الٰہی ہوں موردِ فیض بادشاہی
ہو سیر نصیب اس چمن کی شکل آئے نظر اس انجمن کی
لازم ہے دعائے شاہ اس جا اللہ کرے اسے پذیرا

مذکورہ اشعار سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ''کبوتر نامہ'' کی تصنیف کے وقت تک امیر کی رسائی واجد علی شاہ کے دربار میں نہیں ہوئی تھی۔ دربار میں رسائی کے حوالے سے مذکورہ اشعار کے ہر ہر شعر سے امیر کی دلّی تمنّا اور بے تابی نمایاں ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ مثنوی کا بادشاہ کی فرمائش کے تحت تصنیف کیے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رہی بات واجد علی شاہ کو خلیفۃ الرّحمانی لکھنے کی۔ اس ضمن میں یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ واجد علی شاہ، امامیہ عقیدے پر سختی کے ساتھ کاربند تھے۔ اہلِ تشیع میں خلیفہ کا تصوّر ہی نہیں، لہٰذا واجد علی شاہ کو خلیفۃ الرّحمانی لکھنا کاتب کی ذہنی اختراع ہے۔

رہ گئی تیسری بات، یعنی لکھنؤ کے لیے اختر نگر کی اصلاح استعمال کرنے کی۔ تو اس ضمن میں واضح ہو کہ اودھ کے ثقہ مورخین میں سے کسی نے بھی لکھنؤ کے لیے اختر نگر کی اصطلاح استعمال نہیں کی۔ تاہم واجد علی شاہ کے حوالے سے ان کے متعدد غالی عقیدت مندوں کی تحریروں میں مذکورہ اصطلاح کا استعمال دیکھا گیا ہے۔

املائی خواص۔ نسخہ ''ب'' کے املائی خواص بھی کم و بیش نسخہ ''الف'' جیسے ہی ہیں۔ نسخہ ''ب'' کا کاتب دوچشمی ھ اور ہائے ہوّز میں کوئی فرق روا نہیں رکھتا۔ اودھ کو اودہ لکھتا ہے۔ کاف اور گاف پر ایک ہی مرکز ڈالتا ہے۔ ہائے معروف اور ہائے مجہول میں کوئی امتیاز نہیں کرتا

ہے۔ اکثر الفاظ پر مرکز نہیں ڈالتا۔ ہے، ہی وغیرہ پر کوئی علامت نہیں ڈالتا۔ نون غنہ اور اعلان نون میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتا۔ زیر، زبر پیش کہ جن کے استعمال سے لفظوں کے معانی تبدیل ہو جاتے ہیں، ان کا بھی اہتمام نہیں کرتا۔ لفظوں کو ملا کر لکھتا ہے۔ مثلاً جن پر بجائے جنپر، گل رخ کے بجائے گلرخ، ان پر کے بجائے انپر، وغیرہ۔ اس نسخہ میں بعض مصرعے نسخہ ''الف'' سے بہتر ہیں اور متعدد مقامات پر نسخہ ''الف'' کے مقابلے میں بہتر لفظ رکھا گیا ہے، جس سے کہ شعر کی روانی اور ہمہ جہتی میں اضافہ ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ امیر نے کسی وقت ''کبوتر نامہ'' کی اولین روایت پر نظر ثانی کی ہوگی۔ تاہم ''ب'' پر امیر کے قلم سے ترمیم و اصلاح نظر نہیں آتی۔ عین ممکن ہے کہ امیر کے کسی اصلاح شدہ نسخے کو کاتب نے خوش خط تحریر کیا۔

امیر نے مثنوی کا آغاز حمد سے کیا ہے اور باری تعالیٰ کی جناب میں نو اشعار کا ہدیہ پیش کیا ہے۔ نعت صرف پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔ منقبت کے ذیل میں تین اشعار قلم بند کئے گئے ہیں اور وہ تینوں اشعار حضرت علیؓ کی مدح میں لکھے گئے ہیں، اہم بات یہ ہے کہ منقبت، اوّلین تینوں خلفا کے ذکر سے خالی ہے، جو امیر کی عام روش کے برخلاف ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کبوتر نامہ کی تصنیف کے زمانے میں ان کی ذہنی کیفیت، لکھنؤ کی عام سماجی زندگی اور رجحانات سے کس حد تک متاثر تھی۔ امیر کی شعری مشق کے ابتدائی نمونے تو رام پور میں ان کے گھر کی آتش زدگی میں ضائع ہو گئے تاہم کبوتر نامہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۶۷ھ تک ان کی شاعری پر لکھنؤی شاعری کی نمایاں ترین خصوصیت یعنی رعایت لفظی کے گہرے اثرات تھے۔ مثنوی کبوتر نامہ میں وہ فنی پختگی نظر نہیں آتی کہ جو امیر کا طرّہ امتیاز ہے۔ یہ مثنوی قافیہ پیمائی اور رعایت لفظی کا مرقع ہے۔ پوری مثنوی میں واجد علی شاہ کے پالے ہوئے کبوتروں کی چوبیس اقسام کی تعریف کی گئی ہے جن میں سبز، لال، زرد، گلی، لقا، ببری، جوگیا، خرقہ بند، لال مکھی، نیلا، زاغ، ماشی، گھاگھرا، دودھیا، تنبولیا، خردنوکا، خال، سوسنی، سیہ چپ، سیمابی، گرہ باز، عنبری، ریختہ، ماشی اور تفتہ شامل ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ امیر ہر کبوتر کے بابت اس جامعیت کے ساتھ چند شعر لکھتے کہ جن میں اس کبوتر کی کم از کم نمایاں ترین خصوصیات بیان ہو جاتیں اور ہر کبوتر کی جسمانی ساخت، پروں کی رنگت، پروں پر پڑے امتیازی نشانات پیروں کی ساخت چونچ اور آنکھوں کے رنگ وغیرہ کو مثنوی میں اس طرح بیان کیا جاتا کہ کبوتروں کی بیان کردہ نسلوں، ادصاف

اور خصوصیات ایک دوسرے سے علاحدہ اور واضح کی جاسکتیں، تاہم اس مثنوی میں ایسا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ (جس طرح احسن الدین بیان کی مثنوی چپک نامہ میں ہوا ہے) لیکن امیر نے کبوتروں کے رنگ اور چند ایک باتوں کے علاوہ کچھ نہیں لکھا۔ امیر نے اس مثنوی میں مذکور کبوتروں کا اتنا سرسری تعارف پیش کیا ہے کہ تعارف کا حق بھی ادا نہیں ہوسکا۔ البتہ تعریف عمدگی سے بیان کی ہے۔

تدوین کا تقاضا تھا کہ مثنوی میں مذکورہ کبوتروں میں سے ہر ایک پر حواشی و تعلیقات لکھے جاتے۔ اس مقصد کے لیے پرندوں پر لکھی گئی کتب کو کھنگالا گیا، لیکن ان کتب میں چند کبوتروں کے بابت انتہائی سرسری معلومات مل سکیں، بقیہ کبوتروں کے بابت معلومات فراہم نہیں ہوسکیں۔ تلاش کا عمل جاری ہے۔ اگر مطلوبہ معلومات حاصل ہوگئیں تو انشاءاللہ تفصیلی حواشی و تعلیقات کے ساتھ ازسرِنو مرتب کرکے شائع کی جائے گی۔

''کبوتر نامہ'' کے دونوں نسخے محترم اسرائیل احمد مینائی نے فراہم کیے ان کی علم پروری کا بے حد ممنون ہوں اور ان کے غیر معمولی تعاون کے تشکر کے ساتھ مثنوی کبوتر نامہ کا متن پہلی بار ادبی دنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

بِسمِ اللّٰہِ الرحمٰنِ الرَّحیم

درحمد الٰہی (۱)

گردان حمامۂ قلم کی پرواز ہے طائرِ رقم کی
ہے سر میں بھری ہوائے یاہُو پرداز میں ہے صدائے یاہُو
لکھتا ہے یہ حمدِ خالقِ پاک عاجز ہیں جہاں طیورِ ادراک
جوڑا کُن کا عجب لگایا جس سے کہ یہ ساتھ سب بنایا
کھیل اس کا ہے خلقِ ہفت اختر چھتری ہے فلک یہ سب کبوتر
بے شک ہے زحل کبوتر زاغ مہتاب، کلی، سیاہ، گل، داغ
دیکھو تو بہ سوے مہرِ انور سر ڈوب ہے زرد یہ کبوتر
کیا بو قلموں بنائے طائر قدرت ہر رنگ سے ہے ظاہر
خاکی کو سپہر پر دیا گھر بے بال و پری میں مل گئے پر

در نعت

شہبازِ سر سمائے سرمد   جن کا کہ(۲) ہے اسم پاک احمد
جب غار میں تھے جناب والا   مکڑی نے لگایا آ کے جالا
کہتے ہیں کبوتر ایک آیا   بیضے دے آشیاں بنایا
پہنچے جو زمیں سے آسماں تک   پھر اوجِ سماسے لا مکاں تک
جبریل بھی ساتھ سے رہے باز   بیٹھے سرِ سدرہ وقتِ پرواز

در منقبت

کیا رتبۂ مرتضےٰ علی ہے   ہم پنجہ و بازوے نبی ہے
حاکم ہو جو بازوے پیمبر   کیا صید ہو باز کا کبوتر
باندھی(۳) یہ ہوائے زورِ بازو   کفّار ہوئے تباہ ہر سو

در مدحِ شاہ(۴)

لازم ہے یہ حمد و نعت کے بعد   تقدیر کا چمکے اخترِ سعد
یعنی کہ ہو مدحِ شاہ، موزوں   پرواز کریں طیورِ مضموں
وہ بالِ ہمائے اوجِ دولت   وہ شہپرِ طائرِ ریاست
جاری ہیں طیور پر بھی فرماں   بے شبہ ہے ثانی سلیماں
ذات آپ کی باغِ (۵) دہر میں گُل   عالم ہے تمام مثلِ بلبل
قد آپ کا سروِ باغِ رفعت   قمری کی طرح ہے گرد خلقت
وہ ابرِ بہار زلفِ نایاب   طاؤسِ فلک ہے جس پہ بے تاب
گر ظلِ ہما کہوں ، خطا ہے   حقّا کہ وہ سایۂ خدا ہے
چھوٹے(۶) صدقے میں جو کبوتر   پرواز کرے ہما سے بڑھ کر
ہر قصر ہے رشکِ قصرِ گردوں   ہر طاق ہے جفت صنع بے چوں
لے نوک کی ، کون اس کے آگے   ہو شیر، تو دم دبا کے بھاگے
پُرزور عقابِ عزم ایسا   ہے نسرِ فلک شکار جس کا
شہباز وہ تیغِ شعلہ افگن   طعمہ ہر مرغِ روحِ دشمن
ہے عدل سے یہ جہان آباد   مہمان ہے طائروں کا صیّاد

بخشش پر(۷) اگر وہ لب نہ ہلتا
ہُد ہُد کو کبھی نہ تاج ملتا
لکھا ہے جو وصفِ روے انور
مضموں مرا مرغ ہے منوّر
توصیف سے مل گئی یہ تزئیں
ہے بلبل خامہ(۸) مرغِ زرّیں
منظور جو گُل کی پرورش ہے
مرکوز جو داد ہے دہش ہے
دیتی ہے(۹) اس(۱۰) طرح کے احکام
ہے ضمن میں جن کی بخشش عام
رحمت کی خلق پر، خدا نے
محتاجوں کو مل گئے خزانے
رائی کو جو پیشتر(۱۱) تھے محتاج
کرتے ہیں وہ اپنے گھر راج
تھا جن کے بدن پہ پیرہن چاک
پہنے ہیں وہ زرنگار پوشاک
حضرت کو جو ہر ہنر کا ہے ذوق
رکھتے ہیں ہر اک کمال کا شوق
منظور یہ ہے کہ سب ہنرور
ہوں فائدہ مند و صاحبِ زر
ایک دن یہ خیال شہ کو آیا
کس نے نہیں فائدہ اٹھایا
کرتے ہیں جو بازیٔ کبوتر
یہ لوگ نہیں ہوئے تونگر
ساتھ اس کے ہے، یہ بھی بات ظاہر
ساداتِ طیور ہیں، یہ طائر
ظاہر میں ہیں مُشتِ پر کبوتر
پر صنع کا آئینہ (۱۲) ہے ہر پر
بیکار نہیں ہے شغل ان کا
قدرت کا دکھاتے ہیں تماشا
ہر رنگ میں صنعِ حق عیاں ہے
نیرنگیِ شانِ بے نشاں ہے
ہوتا ہے حدیث سے یہ اظہر
یمن ان کا ہے پالنا مقرر
کیوں کر نہ ہو شغل بہتر ان کا
اللہ کے گھر میں ہے، گھر ان کا
یوں طبع نے بالِ شوق کھولے
پر طائرِ مردمی نے تولے
ارشاد ہوا یہ ایک دن صاف
منظور ہے نشرِ بوے(۱۳) الطاف
ہاں ساتھ کبوتروں کے آئیں
جتنے ہیں ملازمین لائیں
ہر سقفِ مکاں ہو قلّۂ قاف
پریوں کے ہوں تخت، چھتریاں صاف
نوّابِ فلک مقام، ذی شاں
ان کو بھی ہوا یہ حکمِ سلطاں
انجیری تم کرو فراہم
انجیر کا رنگ جن سے مدھم
بازاروں میں جا بہ جا اُڑی دھوم
لو چمکے کبوتروں کے مقسوم

سلطاں ہے کبوتروں کا خواہاں
پریوں کا ہے مشتری ، سلیماں
سن کر یہ خبر ہر اک زباں سے
طائر نکل آئے آشیاں سے
دھیان آیا ہما کو بھی یہ اکثر
افسوس کہ میں نہیں کبوتر
ہنگامۂ جُستجو ہوا گرم
کی کوچہ بہ کوچہ سب نے جا گرم
پھرنے لگے اس تلاش میں سب
سیّار ہوئے برنگِ کوکب
اڑتی سی خبر جو سب نے پائی
سلطاں کی اِدھر ہے طبع آئی
قیمت لگے چوگنی بتانے
بے پر کی لگے وہ سب اڑانے
تھے جن کے گھروں میں کچھ کبوتر
سرخاب کا ان میں لگ گیا پر
سلطاں کا یہ فیض ہو گیا عام
ایک ایک کو دس گُنے ملے دام
آساں نہ کسی کو ہاتھ آئے
ان یوسفوں نے کنویں جھکائے
مشکل سے یہ خوش جمال پائے
گدڑی میں گئے تو لال پائے
لایا، جسے جتنے آگئے ہاتھ
پہنچے درِ شہ پہ ساتھ کے ساتھ
باقی نہ رہے کہیں کبوتر
ڈھونڈھو تو حرم میں بھی نہیں پر
کیا وصف لکھوں کبوتروں کا
نیرنگ ہے دیدنی، پروں کا
کیا مدح ہو ان کی، مجھ سے تحریر
بیضاوی سے بھی نہ ہوگی تفسیر

در وصفِ سبز

سبزوں کے یہ سبز ہیں پر و بال
مدحت میں زباں ہے سبزہ ساں لال
سبزی کا ہے ان کی یہ وتیرہ
فیروزہ بھی جس پہ کھائے ہیرا
مستوں کی طرح ہوئے فراہم
گاڑھی لگی چھننے ان میں باہم
دیکھے تو نگہ (۱۴) مزے اڑائے
آنکھوں میں طراوت ان سے آئے
اڑتے ہیں اگر یہ نازنیں سبز
کر دیتے ہیں آسماں، زمیں، سبز
سیّارے ہیں نجم یہ کبوتر
چھتری کو کہوں سپہرِ اخضر
روشن ہے شرافت ان کی بالذات
گویا ہیں یہ سبز پوش سادات
بیٹھے تو ہوئی تمام جا ، سبز
اٹھے تو نظر پڑی ہوا سبز

درصفتِ لال

لال ایسے کہ وصف میں زباں لال   ہیں برق سے بڑھ کے برق تمثال
تاثیر یہ وصف نے دکھائی   شنجرف ہے صاف روشنائی
مرجاں سے یہ قیمتی سوا ہیں   یاقوت ہیں ، لعلِ بے بہا ہیں
اس باغ کو دیکھنے جو آئے   طاؤس بھی رقص بھول جائے
دیکھے جو یہ لال آتشیں رنگ   سرد آتشِ لعل ہو تہِ سنگ
لالوں کا یہ رنگ ہے ہوا پر   افواجِ فرنگ ہے ہوا پر
جگنو کی طرح چمک رہے ہیں   مشتاقوں کے دل بھڑک رہے ہیں
سوہا یہ حسیں پہن کے آے   بے آگ جہاں کے دل جلاے

درصفتِ زرد

وہ زرد کبوتروں کا عالم   محبوب ہیں زرد پوش باہم
پھولے نہ سمائیں تو بجا ہے   گیندے کا چمن کھِلا ہوا ہے
نرگس کا ہے بوستاں شگفتہ   ہے تختۂ زعفراں شگفتہ
گلشن میں اگر ہنر(۱۵) دکھائیں   گل مارے ہنسی کے لوٹ جائیں
نیرنگ نیا دمِ رقم ہو   شاخِ گلِ جعفری قلم ہو
چھتری زردوں کی آسماں ہے   کیا مہر میں شاخِ زعفراں ہے
جب اوجِ ہوا پہ ہوں نمایاں   اڑتی نظر آئیں زرد پریاں
دیکھ آکے انہیں، اگر نظر ہے   کچھ تجھ کو بسنت کی خبر ہے

درصفتِ گُلی

پیارے ہیں عجب گُلی کبوتر   گل کھاتے ہیں جن پہ ماہ پیکر
نزہت کا ملے ہیں منھ پہ غازہ   گل دستہ بندھا ہوا ہے تازہ
گل گشت کو جب ہوا پر آے   گل زارِ ارم نے داغ کھائے
تاوے جو ہوا پہ کھارہے ہیں   گل گونِ صبا اڑا رہے ہیں
گل سے رنگیں ہر ایک شہ پر   تصویرِ بہار ہے ہوا پر
دل کیوں نہ ہو ان گلوں پہ بلبل   طاؤس نے کھاے رشک سے گل

حلقے نہیں ان کے بال و پر میں گل دام چھپائے ہیں کمر میں
گل چیں، گل زارِ حسن کے ہیں دامن گل سے بھرے ہوئے ہیں
بے تاب ہیں مرغِ ہوش سارے صیّاد ہیں صید پر اتارے
ہر سو یہ صبا پکار آئی دیوانو ! چلو بہار آئی

درصفتِ لقّا

لقّا ہے جو ان میں، مہ لقّا ہے مہ تاب ، چکور ہو رہا ہے
خور سند ہو کیوں نہ طبع گل کی گردن میں لچک ہے شاخِ گل کی
رکھتے ہیں قدم زمیں پہ تن کے دکھلاتے ہیں رنگ بانک پن کے
کیا نوک سے دم تلک ہیں تصویر کسنے میں یہ ہیں اصلِ شمشیر

درصفتِ ببری

ببری ہیں جو اُن سبھوں میں روشن پر نور ہیں مثلِ شمعِ ایمن
پیدا ہیں یہ رنگ ڈھنگ سارے دن کو نکل آئے ہیں ستارے
شب کو جو اڑیں تو ہو یہ ساماں روشن ہو ہوا پر اک چراغاں

درصفتِ جوگیا

اس فکر میں غرق رہتے ہیں ہم کیوں کر لکھیں جوگیوں کا عالم
ہر ایک نے جوگ جب کمایا تب خدمتِ بادشہ میں آیا
سر، بس کہ ہے اس ہوا سے معمور جوگی ہوئے ، جوگیے ہیں مشہور

درصفتِ خرقہ بند

نایاب ہیں خرقہ بند ایسے کامل کوئی خرقہ پوش جیسے
پر مارتے ہیں جو وقتِ پرواز آتی ہے خدا خدا کی آواز

درصفتِ لال مکھی

کیا لال مکھی ہیں پیارے پیارے دل کہتا ہے کیجیے نظارے
ہیں قابلِ دید، چشم بد دور نکلا ہے بہشت سے رخِ نور
مرجاں کی شاخ پر گہر ہیں یا چاند شفق میں جلوہ گر ہیں

درصفتِ نیلا

آنکھوں کا فلک کی، نیل ڈھل(۱۶) جاے　　نیلوں کا جو رنگ اسے نظر آے
محبوب ہیں سب کے یہ نکیلے　　بوسوں کے سبب ہوئے ہیں نیلے

درصفتِ زاغ

زاغ ایسے کہ ہو ہما بھی قرباں　　سایہ جو پڑے، گدا ہو سلطاں
معراج کی رات ہیں یہ بے داغ　　آنکھوں میں ہے ان کی کحلِ مازاغ

درصفتِ گھاگرا

اڑتے نہیں گھاگرے برابر　　بہتی ہے یہ گھاگھرا ہوا پر
چھتری ہے اگر بہ سانِ کشتی　　چھپی بھی ہے بادبانِ کشتی

درصفتِ دودھیا

دیکھے جو یہ دودھیا کبوتر　　بھولے ابھی طفل، شیرِ مادر

درصفتِ تنبولیا

تنبولیوں کا ہے رنگ ایسا　　عشرت کا اٹھالیا ہے بیڑا
پان ان کے جو دیکھ کر ہو مسرور　　عالم میں وہ سرخ رو ہو مشہور

درصفتِ خردنوکا

بانکے ہیں غضب کے خرد نو کے　　کھائے وہ سناں، جو اُن کو ٹوکے

درصفتِ خال

ہیں خال عجیب برق تمثال　　پہنے زرِ مہر کی ہیں خلخال
ہوتے ہیں کہاں جمال ایسے　　محبوب ہیں خال خال ایسے

درصفتِ سوسنی

کیا خوب ہیں سوسنی کبوتر　　سوسن کی بہار ہے مکدّر
ہر چند کہ وہ زباں ہے سوسن　　توصیف میں پر زباں ہے الکن

درصفتِ سیہ چپ

چپ دیکھے سیہ تو کھل گیا یہ　　ہے لیل و نہار ایک جا پہ
کیا ان کی دو رنگیوں کا ہے روپ　　سایے کے ساتھ ساتھ ہے دھوپ

درصفتِ سیمابی

سیمابی کی تیزیاں وہ شفّاف　　پارے کی طرح سے اڑتے ہیں صاف
بے تاب ہے دل بہ رنگِ سیماب　　دل کیا کہ ہے گرمیوں سے سیم، آب

درصفتِ گرہ باز

کب ناز سے باز ہیں گرہ باز　　افسوں گرِ ناز ہیں گرہ باز
شہ پر کبھی جو یہ تولتے ہیں　　عقدے خاطر کے کھولتے ہیں

درصفتِ عنبری

عنبر کی ہے عنبری میں خوشبو　　پھیلی ہے شمیمِ عطر ہر سو
دکھلاتے ہیں سب کو یہ کبوتر　　بالائے ہوا بہارِ عنبر

درصفتِ ریختہ

عرفاں سے جو مست ریختہ ہے　　پیوندِ جہانِ گیختہ ہے
دل کو ہیں پسند یہ پرے دار(۱۷)　　جس طرح کہ ریختے کے اشعار

درصفتِ ماشے

دکھلاتے ہیں طرفہ لطف، ماشے　　ہے رنگِ نشاط جن سے ناشے

درصفتِ تفتہ

کالے تفتوں کا ہے یہ عالم　　کچھ ابرِ سیاہ سے نہیں کم
دیکھے جو نگاہِ بد سے دشمن　　چھڑکیں ابھی تفت کا یہ روغن

درصفتِ جنگِ کبوتراں

القصّہ ہوئے جو سب فراہم　　کرنے لگے گفت گو یہ باہم
کیا بختِ رسا نے کی رسائی　　قسمت درِ شہ پہ ہم کو لائی
خدمت میں ہیں، مرتبے سوا ہیں　　صدقے ہیں، نثار ہیں ، فدا ہیں
کرتے ہیں جو ہر طرف کو پرواز　　ہے شہ پروں میں دُعا کی آواز
دیتے ہیں صدا کہ جانِ عالم　　سو جان سے تم پہ ہیں فدا ہم
سلطاں نے بھی کی یہ دست کاری　　کی تازہ جدا ہر ایک کیاری
کیا رنگ نئے نئے دکھائے　　کیا ساتھ الگ الگ بنائے

کیا پھول ہیں بے شمار تازہ ہر رنگ میں ہے بہارِ تازہ
جنّت کا ہے بوستاں تو یہ ہے گل زار ہے بے خزاں تو یہ ہے
پریوں کے ہیں غول جلوہ گر صاف کوٹھا ہے تمام قلّۂ قاف
کیا فوج یہ رنگ رنگ کی ہے تدبیر ہوا پہ جنگ کی ہے
پائی ہے کسی نے سرخ وردی پوشش ہے کسی کی لاجوردی
ہے جمع ہر ایک رنگ کی فوج کچھ چین کی ، کچھ ہے زنگ کی فوج
جوگی کی طرح اڑیں گے کیا کیا رکھ رکھ کے دہن میں اپنے گٹکا
دکھلائیں گے سیر لشکروں کی تلواریں چلیں گی شہ پروں کی
غٹ غوں ، غٹ غوں پکارتے ہیں شیروں کی طرح ڈکارتے ہیں
شہ زور ہیں اس قدر کبوتر ہیں بازوے رستم ان کے شہ پر
کیا گنتے ہیں نسرِ آسماں کو دے مارتے ہیں یہ پہلواں کو
ہونے لگی جس گھڑی لڑائی شیروں نے صفوں کی ، کی صفائی
مردانہ نئے ہنر دکھائے پھینکی وہ کمند، کھینچ لاے
صیدی کا تباہ ہو گیا ساتھ (کذا) ہے فقط غریب کے ہاتھ
راکب ہیں ہوا کی بادِ پا، پر باندھی ہے ہوا عجب ہوا پر
سر مکھ ہو مکھی سے خاک کوئی ہے نسرِ فلک کو حیلہ جوئی
اڈے ہیں یہ لشکروں کے بادل سیاروں میں پڑگئی ہے ہلچل
اس فوج کی دھوم ہو نہ کیوں کر سلطاں کی ہے چشمِ لطف ان پر
دیکھا جو درِ شہِ جہاں کو پھر یاد کیا نہ آشیاں کو
تن جانے کی کون سی ہے صورت سلطاں سے یہ رکھتے ہیں محبت
ایما کیا تہ پہ رک گئے یہہ سر رکھ کے قدم پہ جھک گئے یہہ
جاتے ہیں زفیل پر یہ کوسوں آتے نہیں پھر نظر یہ کوسوں
اٹھے جو اشارے سے اٹھایا آئے اسی دم اگر بلایا
لڑتے ہیں یہ کشتیاں برابر کرتے ہیں یہ کشتیاں ہوا پر
ہیں تابعِ حکمِ شاہ ذی شاں لاتے ہیں بجا ہر ایک فرماں

مارا کسی ساتھ پر جو دانا — صیدی کا لگا نہ پھر ٹھکانہ
ہر وقت ہے فتح، شاہ کے ہاتھ — گر پڑتے ہیں سب کے ساتھ کے ساتھ
الحق یہ عجیب ہے تماشا — عالم کو ہے سیر کی تمنّا
مشتاقِ نظارہ سب جہاں ہے — جو آنکھ ہے سوے آسماں ہے
ہیں غول کے غول اہلِ دیدار — رستوں میں ہے بھیڑ، بند بازار
دل سے جو پسند ہے یہ انداز — ہے طائرِ شوق محوِ پرواز
رکھتا ہے امیؔر بھی تمنا — اس باغ کا دیکھ لے تماشا
ہر چند کہاں ہے ایسی تقدیر — پر چاہیے(۱۸) کچھ تو اس کی تدبیر
ممکن نہیں، کم کبھی ہو یہ ذوق — ہو نامہ بر، اے کبوترِ شوق
لے جا یہی(۱۹) نامہ سوے داور — عرضی ہے یہ نامۂ کبوتر
شاید کہ لڑے مقدّر اپنا — پہنچے درِ شاہ تک سر اپنا
بے تابیِ دل ہے صاف روشن — دل بھی ہے کبوتر ایک لوٹن
بے بال و پری سے یوں ہے مضطر — جس طرح سے پر کٹا کبوتر
تقدیر رسا ہو، یا الٰہی — ہوں موردِ فیضِ بادشاہی
ہو سیر نصیب اُس چمن کی — شکل آے نظر اُس انجمن کی
لازم ہے دعاے شاہ اس جا — اللہ کرے اسے پذیرا

دعاے مستجاب بہ جنابِ ربّ الارباب

بالاے سپہر نسرِ طائر — پرواز پہ جب تلک ہے قادر
جب تک کہ ہے کبک مہ خراماں — ہے نوریِ مہر، نور افشاں
سلطاں کی رہے ظفر خدا ساز — کنجشکِ عدو ہو، عزمِ شہ باز
ہو تابعِ حکمِ چرخِ اخضر — شیرازیِ روز و شب مسخّر
احباب جو ہوں، نواختہ ہوں — دشمن کے حواس باختہ ہوں

اختلافِ نسخ:

۱۔ نسخۂ ''ب'' میں صرف، حمدِ الٰہی لکھا ہے۔

۲۔ نسخۂ ''ب'' جن کا ہے کہ اسمِ پاک احمد۔

۳۔ نسخہ ''الف'': باندھے۔

۴۔ نسخہ ''ب'' میں یہ عنوان نہیں ہے۔

۵۔ نسخہ ''ب'': باغ۔

۶۔ نسخہ ''ب'' صدقے میں جو ہو رہا کبوتر۔

۷۔ نسخہ ''ب'': پہ۔

۸۔ نسخہ ''ب'': خامہ۔

۹۔ نسخہ ''ب'': دیتے ہیں۔

۱۰۔ نسخہ ''ب'': اسی۔

۱۱۔ نسخہ ''ب'': بیش تر۔

۱۲۔ نسخہ ''ب'': آئینہ۔

۱۳۔ نسخہ ''ب'': بوی۔

۱۴۔ نسخہ ''ب'': نگہ مزے اڑائے۔

۱۵۔ نسخہ ''ب'': ہنر۔

۱۶۔ نسخہ ''ب'': ڈھل۔

۱۷۔ نسخہ ''ب'': پریوار۔

۱۸۔ نسخہ ''ب'': چاہیے۔

۱۹۔ نسخہ ''ب'': یہی۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ آہ، ممتاز علی: ''امیر مینائی''، لکھنؤ، ادبی پریس، ۱۹۴۱ء۔

۲۔ امیر مینائی: 'دیوان امیر' مرتبہ اسرائیل احمد مینائی، کراچی، ایوان امیر مینائی، ۲۰۰۵ء۔

۳۔ امیر احمد علوی: ''طرۂ امیر''، لکھنؤ، انوار المطابع، ۱۹۲۸ء۔

۴۔ ثاقب، احسن اللہ خان: ''مکاتیب امیر''، لکھنؤ، مطبع ادبیہ، ۱۹۲۴ء۔

۵۔ جلیل حسن، مانک پوری: ''سوانح امیر''، پبلشر ندارد، ۱۳۴۷ھ۔

۶۔ حکمت، عبدالحکیم، عظیم آبادی: ''دبدبۂ امیری''، پٹنہ، برقی مشین پریس، ۱۹۳۷ء۔

۷۔ ریاض الحسن، ڈاکٹر: ’’اسیر اوران کا عہد‘‘،لکھنؤ، رام کمار پریس، ۱۹۸۸ء۔
۸۔ سحر، ابومحمد، ڈاکٹر: ’’مطالعہ امیر‘‘، لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۵ء۔
۹۔ شکیب، شبیر علی خاں: ’’رام پور کا دبستان شاعری‘‘، رام پور، رضا لائبریری، ۱۹۹۹ء۔
۱۰۔ صدیقی، ابواللیث، ڈاکٹر: ’’لکھنؤ کا دبستان شاعری‘‘، کراچی، غضنفر اکیڈمی، ۲۰۰۵ء۔
۱۱۔ صدیقی، آفتاب احمد: ’’صہبائے امیر‘‘، ڈھاکہ، مکتبہ عارفین، سنہ ندارد۔
۱۲۔ کریم الدین، ڈاکٹر: ’’امیر مینائی اوران کے تلامذہ‘‘، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۸۲ء۔
۱۳۔ میکش، تھانوی: سنہ ندارد، ’’یادگارِ امیر مینائی‘‘، حیدر آباد دکن، مطبع مفید۔

ماہ نامہ ’’فاران‘‘ کراچی، مارچ، ۱۹۵۱ء۔